ڈاکٹر فرزانہ کوکب
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان

سر سیّد احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد اور اردو ناول

ABSTRACT

Sir Syed Ahmed, Moulvi Nazeer Ahmed and Urdu Novel

By Dr. Farzana Koukab, Assistant Professor, Department of Urdu, Bhauddin Zakriya University, Multan.

Sir Syed Ahmed Khan was such a multi-faceted personality that he influenced almost every aspect of life, Which in turn influenced diffrent literary genres.One such genre was Urdu Novel. As Moulvi Nazeer Ahmed was a close associate of sir syed, he too was influenced by his reformist thoughts that Sir Syed has been preaching along. The paper critically evaluates Nazeer Ahmed's Urdu novels,especially " Mirat-ul-Aroos", taking into account the social status in Sub-continent's society, which was inspired by Sir Syed'thoughts.

برصغیر کے معاشرتی، ثقافتی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات میں مختلف حملہ آوروں، قوموں، مبلغوں اور تاجروں کے باعث مختلف النوع تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں اور ان اثرات میں مسلمانوں اور انگریزوں کے اثرات ہندوستانی تہذیب و ثقافت، سیاست و اقتصادیات پر بہت نمایاں اور اہم ہیں۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد تین مختلف صورتوں میں ہوئی۔

۱۔ مسلمان تاجروں اور دینی مبلغوں کی صورت میں ہندوستان کے جنوبی ساحلوں پر وارد ہوئے اور یہیں بس گئے۔

۲۔ بنوامیہ کے دور میں سندھ پر فوج کشی ہوئی اور پھر آٹھویں صدی عیسوی میں محمد بن قاسم کی سپہ سالاری میں اسے فتح کر کے اسلامی سلطنت کا حصہ بنا دیا گیا۔ اس فتح کی بدولت بھی ایک نئے ثقافتی، اقتصادی اور علمی ارتباط کا راستہ ہموار ہو گیا۔

۳۔ وسط ایشیا سے ترک اور افغان درۂ خیبر کے راستے ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور باقاعدہ ایک مسلمان سلطنت کی بنیادی رکھی اور یہیں پر آباد ہو گئے۔

ہندوستانی سماج اور معاشرہ ہندویت کی مختلف تحریکوں اور اس کے علاوہ جین مت اور بدھ مت جیسی تحریکوں کے بھی زیر اثر رہا۔(۱)

جبکہ ہندوستان کے ساتھ عربوں کے تعلقات کا آغاز تو قبل اسلام ہی ہو چکا تھا۔(۲)

اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ تجارت کے سلسلے میں ان کے جہاز ساحل حضرموت اور یمن سے چل کر ہندوستانی ساحلوں سے ہوتے ہوئے چین ماچین تک جایا کرتے تھے۔(۳)

اس سفر کے دوران وہ سندھ کی بندرگاہوں پر رک کر تجارتی مال کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انھیں یہاں رہنا بھی پڑتا۔ مالا بار اور گجرات کے ساحلی شہروں میں عربوں کی بستیاں اس قیاس کو تقویت پہنچاتی ہیں۔(۴)

۱۴۹۷ء میں جب واسکوڈی گاما نے راس امید کے گرد جہاز رانی کر کے ہندوستان تک پہنچنے کے لیے بحری راستہ دریافت کیا تو ہندوستانی مسلمان یورپ والوں سے بھی روشناس ہو گئے۔(۵)

اس کے بعد برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ اول کے عہد میں ہندوستان تجارت کا پروانہ ملا اور انگریز تجارت کی غرض سے ہندوستان میں آنا شروع ہوئے۔

۱۷۰۷ء کے بعد سلطنت مغلیہ کے شیرازے میں تیزی کے ساتھ ابتری پیدا ہونے کے باعث طاقت کا جو خلا پیدا ہوا اور نصف صدی کے دوران تاج وتخت کے حصول کی کشمکش جو سفاکانہ خانہ جنگی ہوتی رہی اس سے برصغیر میں لاقانونیت کی پیچیدہ اور انتشار کی بدلتی ہوئی صورتیں پیدا ہوتی رہیں اور اس خلفشار سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو توسیع سلطنت کا موقع مل گیا۔

۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی میں فتح کے بعد ۱۸۵۷ء تک آتے آتے انگریز پورے ہندوستان کی قسمت کے بلاشرکت غیرے مالک بن چکے تھے۔ ۱۷۵۷ء سے ۱۸۵۷ء تک سیاسی، معاشی، تعلیمی اور ثقافتی تغیرات کے حوالے سے جو منظرنامہ تشکیل ہوا اس کی اہمیت اور مسلم قومیت کی نفسیات پر وقت کے ساتھ ساتھ مرتب ہونے والے نتائج سے کمپنی کے ذمہ داران افسران نے غفلت برتی۔ یہاں تک کہ یہ بارود مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی کے سپاہیوں کی بغاوت کی شکل میں پھٹ پڑا۔ اس کی فوری وجہ تو نئی قسم کے کارتوس اور ان میں استعمال ہونے والی خنزیر کی چربی تھی لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی بغاوت کی حد تک محدود نہ تھی بلکہ شمالی وسطی ہند میں ہمہ گیر تھی۔ پھر بھی ناکام اس لیے ہوئی کہ پوری تیاری اور تنظیم کے بغیر اچانک شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر فاروق عثمان اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

یہ بغاوت مئی سے شروع ہو کر جون کے اختتام تک شمالی ہندوستان کے ایک بڑے
علاقہ پر پھیل چکی تھی۔ لیکن باغی اپنی مادی قوت کو ایک مرکز پر مجتمع کرنے کی کسی
بڑی صلاحیت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔(۶)

اور یہ امر بھی اب محتاج ثبوت نہیں رہا کہ اس جنگ میں مسلمان اور ہندو دونوں شریک تھے۔ مگر اس ناکام تحریک کی سزا اکثر و بیشتر مسلمانوں کو ملی۔(۷)

انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو سرکشی اور بغاوت کا نام دے کر اس کا ذمہ دار مسلمانوں کو قرار دیا۔ جبکہ اس بغاوت میں ہندوؤں کی شرکت کو محض ایک عارضی لغزش سے تعبیر کیا گیا۔(۸)

مسلمانوں کے ساتھ اس خصوصی معاندانہ سلوک کی وجوہات میں صلیبی جنگوں کے دوران پیدا ہونے والی بدگمانیاں جو صدیوں تک ختم نہ ہو سکیں۔ پھر اسلامی عقائد اور تعلیمات کو یورپ میں جس طرح مسخ کر کے پیش کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں مغربی اذہان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات موجود تھے۔ برصغیر میں مسلمانوں کا صدیوں کا اقتدار چھین جانے کی وجہ سے بھی مسلمانوں کی ناراضگی سے انگریز واقف تھے اور ان کو یہ بھی علم تھا کہ بہت سے مسلمان علما ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل بھی مسلمانوں کو جہاد پر اکساتے رہتے تھے۔ فوج میں ہندو کم تعداد میں ہونے کے باوجود مسلمان مجاہدین نے زیادہ گرم جوشی اور بے مثال استقامت سے مقابلہ کیا اور زیادہ جانی و مالی قربانیاں دیں۔ انگریزوں کو یہ بھی بدگمانی تھی کہ یہ مسلمان حکمرانوں کو سوچی سمجھی سکیم تھی اور ایران اور روس کی شہ پر برپا ہوئی۔(۹)

ہوا کے بدلتے رخ کے ساتھ ہی ہندوؤں نے بھی انگریزوں کو اپنی وفاداری سے متاثر کرنا قرین مصلحت سمجھنا اور یقینا ہندوؤں کے سینوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف صدیوں سے بھرا بغض اور عناد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کے ساتھ ہر اس جگہ جہاں انگریزوں نے تحریک آزادی کو ناکام بنا کر اپنا تسلط قائم کیا تھا وہاں انگریزوں نے جو انتقام لیا اور وحشیانہ قتل عام تاراجی و غارت گری کی اور اس کے بعد جو ضبطیاں، قرقیاں، خانہ بربادیاں اور جلاوطنیاں کیں وہاں زیادہ نقصان مسلمانوں کو ہی پہنچا۔ کیونکہ وہی ظلم و تعدی کا خاص طور پر نشانہ بنائے گے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کئی برس تک انگریز اس حکمت عملی پر کار بند رہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ کمزور، ناکارہ اور محتاج بنا دیا جائے اور ان کے حوصلے اتنے پست کر دیے جائیں کہ پھر وہ انگریزی حکومت کے خلاف نبرد آزما نہ ہو سکیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے دل میں بھی انگریزوں سے نفرت اور مایوسی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے مسلمانوں کو ایک ایسے سرے پر پہنچا دیا کہ جس کے آگے راستہ بند نظر آتا تھا۔

ان دگرگوں حالات میں مراد آباد کے صدر الصدور سید احمد خان نے انگریز حکومت کی ملازمت میں ہونے کے باوجود مسلمانوں کو اس بدحالی، مصیبت اور ذلت سے نکالنے کا عزم کیا اور ایک ایسے مصلح کی صورت میں سامنے آئے

جنھوں نے اپنی قوم کو کڑی آزمائش اور ابتلاء سے نکالنے اور اس کی اصلاح کی خاطر کی جانے والی اپنی عملی کوششوں کے حوالے سے اپنوں پرائیوں کی ہر طرح کی مخالفت اور دشمنی اور کفر کے فتووں کی بھی پروانہ کی۔ اگرچہ دیو بند اور ندوۃ العلما کی تحاریک بھی اپنے اپنے منشور اور نقطہ نظر کے تحت مسلمانوں کی اصلاح میں پوری طرح سرگرم تھیں مگر جس تحریک نے مسلمانوں میں سب سے زیادہ فروغ پایا اور ان کی سوچ کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ علی گڑھ تحریک تھی۔ اس تحریک نے برصغیر کے عوام بالخصوص مسلمانوں کے ذہنوں اور ان کی سوچ پر انقلاب آفرین اور دور رس اثرات مرتب کیے اور بلاشبہ انگریز حکمرانوں پر بھی سر سید احمد خان کی تحریری، تقریری اور عملی کاوشوں کے بہت مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ لہٰذا سرسیداحمد خان کے اثرات کی تین جہتیں ہیں۔(۱)ہندوستان کے عوام پر(۲) ہندوستان کے مسلمان پر(۳) ہندوستان کے انگریز حکمران پر۔ اس طرح علی گڑھ تحریک کی درج ذیل جہتیں ہیں۔

۱۔ سیاسی
۲۔ تعلیمی
۳۔ مذہبی
۴۔ ادبی
۵۔ سماجی اور اخلاقی

برصغیر کے مسلمانوں کی بابت انگریزوں کی سیاسی اور مذہبی حوالے سے بدگمانی اور بے اعتمادی کو ختم کرنے کے لیے سر سید احمد خان نے تحریری، تقریری اور عملی کاوشیں کیں۔ سیاسی طور پر مسلمانوں کو تباہی اور بربادی سے بچانے کے لیے اور ان کے مفاد کے لیے سر سید احمد خان نے رسالہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند''، ''تاریخِ سرکشیٔ بجنور''، ''لائل محمڈنز آف انڈیا'' تصنیف کیں۔ رسالہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' کی تقریباً ۵۰۰ کاپیاں ارکان پارلیمنٹ برطانوی حکومت اور انڈیا آفس میں تقسیم کی غرض سے بذریعہ ڈاک لندن بھجوائیں اور ایک کاپی گورنمنٹ آف انڈیا کو خاص گورنر جنرل کے ملاحظے کے لیے پیش کی۔(۱۰)

لندن میں رسالہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' کے متعدد ترجمے ہوئے اور اس پر وہاں کے اہلِ حکومت اور اہلِ سیاست کے قائل ہو گئے۔(۱۱)

رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا اور تاریخ سرکشی بجنور اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اس کے علاوہ سر سید احمد خان کے آواز بلند کرنے پر یونین کونسل میں ہندوستانیوں کو نمائندگی کا حق ملنا اور سر سید احمد خان کی شمولیت، علاوہ ازیں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۸۵۸ء کے نفاذ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے استحقاق حکومت سے برطرفی میں سر سید احمد خان کا خاموش کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔(۱۲)

اردو ہندی تنازعہ کے دوران مسٹر شیکسپیئر سے ہندوؤں کے تعصب اور مسلمانوں کی حمایت میں گفتگو اور مجلس قانون ساز میں اس حوالے سے بھر پور آواز بلند کرنے کو بلاشبہ دوقومی نظریہ کی بنیاد بھی کہا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان مذہبی حوالے سے بدظنی، منافرت اور اختلاف کی خلیج کو ختم کرنے کے لیے ''تبیین الکلام'' اور رسالہ ''در احکام طعام اہلِ کتاب'' کی تصنیف کے ساتھ سر ولیم میور کی دل آزار کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کے جواب میں خطبات احمدیہ کو تحریر کرنا سر سید کی مذہب اسلام اور مسلمانوں سے محبت کا ہی واضح اظہار ہے۔ ان اہم تصانیف کے باعث ولیم میور سمیت سر سید احمد خان کے پہلے سوانح نگار کرنل گراہم اور سر آرنلڈ سمیت لندن کے اخبارات نے بھی سر سید احمد خان کے موقف سے قائل ہونے کا اعتراف کیا۔ ریورنڈ ہوپر نے جو لاہور ڈی۔وی۔ٹی کالج کے پرنسپل تھے حالی سے کہا:۔

> مسلمانوں پر تعجب ہے کہ وہ سر سید احمد خان کو کافر، ملحد اور بد مذہب سمجھتے ہیں۔
> میرے خیال میں جو کام سر سید احمد خان نے اسلام کی حمایت میں کیا ہے وہ آج
> کسی مسلمان سے بن نہیں آیا۔(۱۳)

سر سید احمد خان کو مفاد پرست اور کرسٹان تک کہا گیا لیکن سر سید احمد خان نے جنگِ آزادی کے دوران انگریزوں سے وفاداری، حمایت اور انگریز سرکار کی نوکری کی وجہ سے اپنی دوستی، قربت اور حکومتی اہم شخصیات تک رسائی کو ذاتی فائدے اٹھانے اور ذاتی مراعات لینے کی بجائے مسلمانوں کے مفادات، اصلاح احوال اور مراعات کے حصول کے لیے استعمال کیا۔ علی گڑھ کی دو بہت اہم اور ناگزیر جہتیں تعلیمی اور ادبی تھیں۔ علوم جدیدہ، انگریزی اور سائنسی تعلیم کے حصول کی مسلمانوں کے لیے اہمیت اور ان کے حصول سے وابستہ مسلمانوں کے اقتصادی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی مفاد سے سر سید مکمل طور پر واقف تھے۔ اس ضمن میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام اور اس وقت کے وزیر ہند کو اس کا پریزیڈنٹ بنانا جب کہ پنجاب اور یو۔پی کے گورنروں کو اس سوسائٹی کا وائس پریذیڈنٹ بنانا، علاوہ ازیں سوسائٹی کے اغراض و مقاصد کی تشہیر کے لیے کلکتہ کا سفر اور اس سفر کے دوران راستے میں پڑنے والے شہروں میں سوسائٹی کی غرض و غائت اور اہمیت کے لیے تقاریر، غازی پور میں مدرسہ کا قیام، علی گڑھ میں مدرستہ العلوم کا قیام اس کے علاوہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اجرا کیا جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ ۱۹۷۰ء۔۱۷۶۹ء میں سفر انگلستان کے دوران متعدد بار کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں جا کر ان یونیورسٹیوں کے نظم ونسق اور نصاب تعلیم کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور کئی پبلک سکولوں اور بورڈنگ ہاؤسوں کا معائنہ بھی کیا۔ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کے اسباب وعلل پر مضامین لکھوانا اور ان پر انعامات دینا۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا قیام اور پھر اس مدرستہ العلوم کو علی گڑھ یونیورسٹی کا درجہ مل جانا بلاشبہ سر سید کی پرخلوص اَن تھک محنت، خیرخواہی کے ثبوت کے ساتھ ساتھ ایک محیر العقول کارنامہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مزید یہ آل محمڈن سول سروس فنڈ ایسوسی ایشن کانفرنس کا قیام اور اس کے تحت مسلمانوں کو سول سروس کے مقابلہ کے امتحان کے لیے لندن بھجوانا، محمڈن

ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام بھی سرسید کی تعلیمی خدمات کی طویل فہرست کا ایک اہم حصہ ہیں۔ تعلیم کے سلسلہ میں ان اہم اور دور رس نظر کے اثرات کی حامل کاوشوں اور علی گڑھ یونیورسٹی کے باعث ایک نئے تعلیم یافتہ اور مشرق و مغرب کی بعض عمدہ خصوصیات کے حامل طبقے کی بنیاد پڑ گئی۔ جو نئی زندگی کی ضروریات کا کفیل بھی ہوسکتا تھا اور مغربی افکار و خیالات اور مغربی معیاروں کو ہندوستان میں نافذ کرنے کا اہل بھی تھا۔ سر آکلینڈ کالون نے بھی یہ تسلیم کرتے ہوئے لکھا:۔

> علی گڑھ کالج کا طالب علم فیاضانہ خیالات اور ترقی یافتہ تعلیم و تربیت اور آزادانہ خصلت رکھنے والا شخص خیال کیا جاتا ہے۔(۱۴)

علی گڑھ تحریک کی تعلیمی تحریک نے نہ صرف مسلمانانِ ہند کو بلاواسطہ فائدے پہنچائے بلکہ انھیں بالواسطہ بھی کئی فائدے ہوئے مثلاً اس تحریک کے زیر اثر ملک کے مختلف علاقوں میں قومی تعلیم گاہوں کا قیام عمل میں آیا۔ جن کا انتظام خود مسلمانوں نے کیا۔(۱۵)

علی گڑھ تحریک کا مقصد معاشرتی اور سماجی لحاظ سے یہ تھا کہ عام روزمرہ زندگی میں مسلمان جن فضول، غیر اسلامی رسوم و رواج کی پابندی کرتے ہیں ان سے باز آجائیں۔ نیز مغربی تمدن و معاشرت میں جو چیزیں مفید اور سودمند ہیں انھیں بلاتکلف اختیار کر لیں۔ سرسید احمد خان کے تصور تہذیب پر غور کیا جائے تو اس میں تہذیب کے مادی، سماجی اور اخلاقی تینوں پہلوؤں کا احساس ملتا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور کے مطابق:

> سرسید نے جب تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے شائستہ قوموں کی خوبیاں گنائیں اور اپنی قوم کی پستی کا رونا رویا تو گو ان کا تہذیبی تصور جامع نہ تھا مگر جاندار اور مشرقی تہذیبی تصور سے ارفع ضرور تھا۔(۱۶)

سرسید احمد خان نے دورۂ انگلستان کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ برطانیہ اور ہندوستان کے مابین سب سے بڑا فرق تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی ہے اور سب سے اہم مثلث کے وہ ابعاد ہیں جن کے بغیر سیاسی محکومی دور نہیں کی جاسکتی۔ سیاسی محکومی کا خاتمہ حکمرانوں سے ان کے لیے قابل ادراک زبان اور تہذیبی پس منظر میں رہ کر ہوسکتا ہے۔(۱۷)

اس غرض سے سرسید نے ہندوستان واپس پہنچتے ہی ایک رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے نام سے جاری کیا۔ جو لندن کے رسائل سپیکٹر اور ٹیٹلر کی طرز پر تھا۔ اس رسالہ میں سرسید احمد خان نے زیادہ تر مذہبی، سیاسی، علمی، سماجی اور اخلاقی نوعیت کے مضامین شائع کیے۔

برصغیر کے نئے حالات نے نئے شعور کو ابھارا اور نئے شعور نے نئے ادب کی راہ نکالی۔ تحریکِ سرسید نے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے جو راہیں سمجھائیں ان سے نہ صرف زندگی اور معاشرے سے وابستہ فکری اور تہذیبی دائرے میں بلکہ شعر و ادب کی دنیا میں بھی بڑی دور رس تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ پہلی مرتبہ ایک ہمہ گیر اصلاحی تحریک کے

تحت ادب کی عمرانی و تہذیبی اہمیت کا اندازہ لگا کر اردو میں مقصدی شعر و ادب کی تخلیقی روایت قائم کی۔ مقصدیت اور اصلاح پسندی کا یہ رویہ اور مصنّفین میں معاشرتی ذمہ داری کا احساس سرسید کی تحریک کے بعد اردو ادب کی ہر صنف میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

سرسید احمد خان نے اس مقصدی ادب کی تخلیق کے لیے لفظی بازی گری، بناوٹ اور سجاوٹ سے پاک سادہ اور صاف اسلوب اپنایا۔ سرسید احمد خان نے مسلم معاشرہ کی سماجی اور معاشرتی اصلاح کے اہم مقصد کے حصول کے لیے اپنے رفقائے کار کی ادبی خدمات کو بھی ذریعہ بنایا اور اس ضمن میں ڈپٹی نذیر احمد اور ان کے ناولوں کا ناقابل تردید اہم اور بھرپور کردار ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد اگرچہ سرسید احمد خان کی حد سے بڑھتی ہوئی عقلیت پسندی، نیچریت، انگریزی اور مغربی تہذیب و تمدن اور طرز زندگی کی تقلید اور ان کے چند مذہبی عقائد سے اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود علی گڑھ تحریک اور سرسید احمد خان سے ہر طرح سے تعاون میں ہمیشہ ایک کمانڈو کی طرح پیش پیش رہے۔ تحریک کی گرانقدر مالی مدد کے علاوہ اپنے طویل زبانی لیکچروں کے ذریعے تحریک کی حمایت اور لوگوں کو قائل کرنے کے لیے خلوصِ دل سے اپنی بھرپور کوشش کی۔ سرسید احمد خان کے معاون و مددگار اور اہم رفیق کار بنے۔ علاوہ ازیں علی گڑھ تحریک کے سیاسی، علمی، اقتصادی اور اصلاحی مقاصد کے حصول میں ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کا گراں قدر حصہ بنتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے پہلے ناول ''مراۃ العروس'' (۱۸۶۹ء) کو اردو کا پہلا ناول قرار دیا جاتا ہے۔ اس بنا پر وہ اردو کے داستانوں اور قصہ کہانیوں پر مبنی ادب کو ناول کی صورت میں ایک نئی صنف سے متعارف کروانے والے پہلے ناول نگار بن جاتے ہیں۔ ''مراۃ العروس'' کی تصنیف کے محرکات اور غرض و غایت بے شک ڈپٹی نذیر احمد کی بڑی بیٹی کی درسی ضروریات ہوں یا ''مراۃ العروس'' اور ''بنات النعش'' کی تصنیف براہ راست تعلیم نسواں کی اس تحریک سے وابستگی کا نتیجہ ہو جو انگریز حکام یا محکمہ تعلیم کے ارکان کی باہمی تعاون سے شروع ہوئی تھی۔(۱۸)

لیکن ان ناولوں نے مسلم معاشرہ میں عورتوں کی درد ناک حالت اور اس معاشرہ میں عورتوں کے حوالے سے رائج غلط تصورات اور ان کے نتیجے میں عورتوں کی ناقدری پر کاری ضرب لگائی۔ مراۃ العروس، بنات النعش اور توبۃ النصوح خالصتاً اولاد کی تعلیم و تربیت اور بالخصوص تعلیم نسواں کی اہمیت و افادیت کو معاشرہ میں اجاگر کرنے کے لیے لکھے گئے۔ ماما عظمت کے کردار کی صورت میں عورت کا منفی روپ پیش کیا گیا ہو یا اصغری کے کردار کی صورت میں عورت کا مثبت اور مثالی روپ لیکن ان کرداروں کی پیشکش سے یہ ضرور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عورت عقل و شعور، ذہانت، معاملہ فہمی، بہترین انتظام و انصرام اور بہترین رہنمائی کی ان تمام خداداد صلاحیتوں کی حامل ہے جو ہندوستان کے سماجی ڈھانچے میں صرف مرد سے وابستہ تصور کی جاتی تھیں اور عورت کو ان صفات سے قطعی عاری سمجھا جاتا تھا۔ ''بنات النعش'' میں واقفیت عامہ اور ابتدائی سائنس سے معلومات کا بیان کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد لڑکیوں کی محض رسمی

تعلیم سے ہٹ کر جدید تعلیمی نظریات سے آگاہی کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔

''ایامیٰ'' میں بیوہ عورتوں کی دوسری شادی کے حق میں آواز بلند کرتے ہوئے عورت کی بحیثیت انسان نہ صرف اقتصادی اور معاشرتی ضروریات کے حوالے سے بات کی بلکہ اس کی جذباتی اور جسمانی ضروریات کا احساس کرنے اور اسے تسلیم کرنے پر بھی زور دیا۔ ''رویائے صادقہ'' میں عورتوں کی معاشرتی حیثیت، ازدواجی مسائل، پردہ، لباس اور طرزِ تمدن کے بارے میں قدیم و جدید طبقوں کی کشمکش اور متضاد رجحانات کا تجزیہ کر کے ہر ایک طبقہ کی بے اعتدالیوں کی نشاندہی کی گئی۔ چونکہ ڈپٹی نذیر احمد کی قصہ گوئی کا محرک قومی اصلاحی جذبہ تھا اس بنا پر ان کے تمام ناولوں میں مقصدی اور اصلاحی پہلو نمایاں ہے۔ اگرچہ ان کے ناولوں میں واعظ اور مبلغ کا کردار اکثر بہت ناگوار گزرتا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنے اصلاحی قصوں میں ان تمام لایعنی اور لادینی رسوم، توہمات اور بدعات کا مضحکہ اڑایا ہے جو معاشرہ میں رائج تھیں اور بالخصوص عورتوں کی شریعت میں دین و ایمان کا درجہ رکھتی تھیں اور اس کا بنیادی سبب ان کی جہالت ہی تھی۔

علاوہ ازیں پیدائش سے موت تک کی تمام رسمیں قبر پرستی، نذر نیاز، منت مراد، گنڈا تعویذ، جھاڑ پھونک، غرض عقائد کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر ڈپٹی نذیر احمد کی نگاہِ تنقید نہ پڑی ہو۔

عورتوں میں پردے کی بے جا پابندی اور سختی کی مخالفت کی۔ مسلمان امراء وشرفاء نیز متوسط طبقہ میں جاگیرداری عہد کے اخلاقی و معاشرتی مفاسد مثلاً عیش پرستی، تن آسانی، اسراف وتبذیر، غرور ونخوت، تکلف اور تصنع جیسی معاشرتی اور اخلاقی خرابیاں جو صدیوں سے قومی زندگی اور قومی کردار کا جزو لاینفک بنی ہوئی تھیں۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولوں کے ذریعہ مسلم معاشرے سے جڑوں سمیت اکھاڑ پھینکنے اور اسلام کی جمہوری اور عملی اقدار مثلاً محنت و مشقت، سادہ معاشرت، کفایت شعاری اور ایثار و خدمت پر زور دیا۔

ڈپٹی نذیر احمد نے 'فسانۂ مبتلا' تعدد ازدواج کی مخالفت میں لکھا۔ ناول ''ابن الوقت'' جہاں ایک ایسے شخص کی زندگی کی روداد ہے جو انگریزوں کی تقلید کی روش میں اپنی اصل سے بیگانہ ہوگیا اور اسے اپنوں اور بیگانوں سب میں نکو بننا پڑا وہیں۔ ''ابن الوقت'' ایک فکر انگیز سیاسی، معاشرتی اور نفسیاتی ناول ہے جو اپنے عہد کی اصلاحی تحریکوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے ان تحریکوں کا بڑے ماہرانہ انداز سے تجزیہ کیا ہے اور قوم کے فکری رویوں کو بھی جانچا ہے۔ اسی طرح ''رویائے صادقہ'' میں صادقہ کے طویل مذہبی خواب کی صورت میں مذہب کے بنیادی عقائد اور مختلف فرقوں کے اختلافات کا جائزہ لیتے ہوئے سوالاً جواباً تمام نظریاتی الجھنوں کا حل پیش کیا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے علی گڑھ تحریک کے اہم رکن کی حیثیت سے سرسید احمد خان کا ہر طرح سے ساتھ دیا بلکہ ان کے ناولوں کی بدولت اردو کے نثری ادب کا رشتہ معاشرتی حقائق سے جڑا۔ ڈپٹی نذیر احمد نہ صرف اردو ناول کے بانی ہیں بلکہ ناول کے موضوعاتی اور فنی ارتقائی عمل کا آغاز بھی خود ان کے ناولوں سے ہی ہوتا ہے۔ سب سے اہم یہ کہ ان کے ناولوں

نے برصغیر کے لوگوں کے اذہان کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مراۃ العروس اور بنات النعش کو نہ صرف حکومت کی پسندیدگی کی وجہ سے انعامات ملے۔ بلکہ مراۃ العروس کی مقبولیت اور شہرت کے حوالے سے تاج بیگم فرخی لکھتی ہیں:

> ۱۸۶۹ء میں یہ کتاب چھپ کر شائع ہوئی لیکن اس کی شہرت چھپنے سے پہلے ہوچکی تھی۔ جب یہ کتاب لکھی گئی تو محلے کی عورتوں نے اسے سُنا اور جس نے سُنا اس نے بے حد پسند کیا۔ بڑے بڑے اونچے گھرانوں میں یہ کتاب منگوائی گئی۔ ''مراۃ العروس'' بلکہ اصغری اکبری کا قصہ ہر جگہ مشہور ہوگیا۔ کتاب لڑکیوں کو جہیز میں دی جانے لگی۔ لڑکیوں کے حصہ اتنی بار پڑھا کہ انھیں حفظ ہوگیا... انگریزی میں اس کا ترجمہ ہونے کے ساتھ ہندوستان کی مقامی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے۔(۱۹)

الغرض علی گڑھ تحریک تحت سرسید احمد خان اور ان کے رفقائے کار کی خدمات کو مسلمانانِ ہند کے اوپر ایک احسان عظیم ہی کہا جاسکتا ہے جن کی اہمیت، افادیت اور اثرات کی مسلمہ حیثیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

گزشتہ تیس پینتیس برس کے پاکستانی معاشرہ کے سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور تعلیمی منظرنامہ پر نظر ڈالی جائے اور بالخصوص معاشرتی صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے تو یہ پریشان کن حقیقت بہرحال اپنی جگہ موجود ہے کہ اس سارے عرصہ میں پاکستانی معاشرہ مذکورہ بالا تمام شعبوں کے حوالے سے جن ابتلاؤں سے نبردآزما رہا۔ مزید برآں اندرونی و بیرونی دشمنوں اور اپنوں کی چیرہ دستیوں کا شکار رہا ہے بالخصوص انتہاء پسندی، دہشت گردی اور اس کے نتیجے میں عدم برداشت نے قوم کو جس طرح کی نفسیاتی کشمکش، بگاڑ اور مایوسی کا شکار بنایا اور ذہنی طور پر مفلوج کیا۔ ایسے حالات میں سرسید احمد خان کی علی گڑھ تحریک اور ان کے رفقا جیسی ہستیوں کی آج کے پاکستانی معاشرے کے عصری تناظر میں اسی طرح ضرورت ہے جو اپنے خلوص، خدمت انتھک محنت اور کوشش سے آج کے پاکستانی معاشرے اور قوم کی حالتِ زار میں ایک معجزاتی انقلاب برپا کرسکیں۔

حواشی:

(۱) ڈاکٹر تارا چند، تمدن پر ہند اسلامی اثرات، مترجم: محمد مسعود احمد، (لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۶۴ء)، ص۲۷۶

(۲) ایضاً، ص۲۷۹

(۳) سبطِ حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، (کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۷۷ء)، ص۱۴۹

(۴) محمد خان منگلوری، تاریخِ جنوبی ہند، (لاہور: یونائیٹڈ پبلشرز، ۱۹۴۷ء)، ص۵۳

(۵) پروفیسر عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۰۶ء)، ص۱۹

(۶) ڈاکٹر فاروق عثمان، اردو ناول میں مسلم ثقافت، (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲ء)، ص۱۰۲

(۷) سر سید احمد خان، اسبابِ بغاوتِ ہند، مقدمہ: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۸۵۷ء)، ص۷۶

8. Thompson, *Rise and Fulfilment of the British rule in Indias*, (London: EAS Garret G.T., 1934), P.443

(۹) ڈاکٹر فاروق عثمان، اردو ناول میں مسلم ثقافت، محولہ بالا، ص۱۰۲

(۱۰) جمیلہ یوسف، سر سید احمد خان: شخصیت اور فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۹ء)، ص۴۸

(۱۱) ایضاً، ص۴۹

(۱۲) ڈاکٹر محمد علی صدیقی، سر سید احمد خان کی جدت پسندی، (لاہور: پیس پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص۴۷

(۱۳) مولانا الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، حصہ دوم، (لاہور: نیشنل ہاؤس)، ص۸۴

(۱۴) ایضاً، ص۳۸۴

(۱۵) تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، اردو ادب، (جلد چہارم)، ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء)، ص۱۵، طبع دوم

(۱۶) پروفیسر آل احمد سرور، مجموعۂ تنقیدات، مرتبہ: عاصمہ وقار، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء)، ص۹۶۲

(۱۷) ڈاکٹر محمد علی صدیقی، سر سید احمد خان کی جدت پسندی، ص۸۳

(۱۸) افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد: احوال و آثار، (لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۷۱ء)، ص۳۲۸، طبع اوّل

(۱۹) تاج بیگم فرّخی، نذیر احمد ڈپٹی، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۱ء)، ص۶۸، ۶۹

مآخذ:

۱۔ احمد، عزیز، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۰۶ء۔

۲۔ تارا چند، ڈاکٹر، تمدن پر ہند اسلامی اثرات، مترجم: محمد مسعود احمد، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۶۴ء۔

۳۔ تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، اردو ادب، (جلد چہارم)، ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، طبع دوم۔

4. Thompson, *Rise and Fulfilment of the British rule in Indias*, London: EAS Garret G.T., 1934.

۵۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، حیاتِ جاوید، حصہ دوم، لاہور: نیشنل ہاؤس۔

۶۔ حسن، سبطِ، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۷۷ء۔

۷۔ خان، سر سید احمد، ''اسباب بغاوت ہند''، مقدمہ: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۸۵۷ء۔

۸۔ سرور، آل احمد، پروفیسر، مجموعۂ تنقیدات، مرتبہ: عاصمہ وقار، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔

۹۔ صدیقی، افتخار احمد، مولوی نذیر احمد: احوال و آثار، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۷۱ء، طبع اوّل۔

۱۰۔ صدیقی، محمد علی، ڈاکٹر، سر سید احمد خان کی جدت پسندی، لاہور: پیس پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء۔
۱۱۔ عثمان، فاروق، ڈاکٹر، اردو ناول میں مسلم ثقافت، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲ء۔
۱۲۔ فرّخی، تاج بیگم، نذیر احمد ڈپٹی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۱ء۔
۱۳۔ منگلوری، محمد خان، تاریخِ جنوبی ہند، لاہور: یونائیٹڈ پبلشرز، ۱۹۴۷ء۔
۱۴۔ یوسف، جمیلہ، سر سید احمد خان: شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۹ء۔